ڈاکٹر رشی کمار شرما
Assistant Professor, Department of Urdu, Banaras Hindu University, UP

اردو کے غیر مسلم ناول نگار: ایک مطالعہ

ملخص

اردو کی تمام اصناف میں غیر مسلم ادیبوں کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔نثر کی ایک صنف ناول کا جب ذکر کرتے ہیں تو اس میں بھی ہندو اور سکھ قلم کاروں کی تخلیقی انفرادیت نمایاں نظر آتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر مسلم ناول نگاروں نے اس کی آبیاری اور زرخیزی میں بھر پور کردار ادا کیا ہے۔ ناول کی بنیاد ڈپٹی نذیر احمد نے رکھی،لیکن ناول کی روایت کو پنڈت رتن ناتھ سرشار نے آگے بڑھایا جبکہ موضوع اور اسلوب کی سطح پر پریم چند نے اردو ناول کو وقار و اعتبار بخشا۔ کرشن چندر نے اس میں خوبصورتی پیدا کی جبکہ راجندر سنگھ بیدی نے نفسیاتی پہلو ڈال کر ناول میں چار چاند ڈال دیئے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا شمار اردو ناول کو برگ و بار عطا کرنے اور اسے مزاح کی چاشنی سے روشناس کرانے والے فن کاروں میں ہوتا ہے۔ بعد میں بھی لکھنے والوں میں کئی اہم غیر مسلم ناول نگار ہیں جن کے ناول پائے کے ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو زبان، غیر مسلم ناول نگار، ناول،۔

زبان ایسی چیز ہے جس پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں ہوتی ہے،اسے کوئی بھی سیکھ سکتا ہے اور اپنا سکتا ہے۔لیکن جس بھارت میں اردو زبان نے جنم لیا اور پروان بھی چڑھی اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو ایک خاص مذہب کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور بقیہ تمام قومیں اردو زبان سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ اردو زبان کو پروان چڑھانے میں غیر مسلموں خاص طور سے ہندو اور

سکھ مذہب کے ماننے والوں نے برابر کا ساتھ دیا۔اردو کوزبان کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اردو کو ادبی شناخت دلانے میں بھی ہندوؤں اور سکھوں کا پورا پورا حصہ رہا ہے۔درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو جب اپنی شناخت بنارہی تھی اور ادب کے قلب میں ڈھل رہی تھی اس وقت بھارت میں بول چال اور سرکاری کام کاج کے طور پر اردو کو اولیت حاصل تھی۔اس لیے تمام مذاہب کے تعلیم یافتہ لوگوں نے اردو کو مقبول عام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اپنی سوچ کو تخلیقی طور پر لانے کے لیے اردو زبان کو وسیلہ بنایا۔نثر کے اصناف ہوں یا نظم کے اصناف دونوں صنفوں میں غیر مسلم ادیبوں نے بے شمار خدمات انجام دیئے ہیں۔ایسی صورت میں ان کی تخلیقی کاوشوں کو نظر انداز کر کے اردو ادب کی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی ہے۔بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی شمولیت کے بغیر اردو زبان وادب ادھورا ہے۔اردو کی تمام اصناف میں غیر مسلم ادیبوں کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔نثر کی ایک صنف ناول کا جب ذکر کرتے ہیں تو اس میں بھی ہندو اور سکھ قلم کاروں کی تخلیقی انفرادیت نمایاں نظر آتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر مسلم ناول نگاروں نے اس کی آبیاری اور زرخیزی میں بھر پور کردار ادا کیا ہے، جس کی وجہ سے اردو ناول نثر کی دوسرے اصناف کے ہم پلہ قرار پایا۔اس صنف میں پوری زندگی کو سمیٹ لینے کی صلاحیت موجود ہے۔

یہ سچ ہے کہ 'مراۃ العروس' (1869) تخلیق کر کے اردو میں صنف ناول کی بنیاد ڈپٹی نذیر احمد نے رکھی، لیکن ناول کی روایت کو پنڈت رتن ناتھ سرشار نے آگے بڑھایا جبکہ موضوع اور اسلوب کی سطح پر پریم چند نے اردو ناول کو وقار واعتبار بخشا۔کرشن چندر نے اس میں خوبصورتی پیدا کی جبکہ راجندر سنگھ بیدی نے نفسیاتی پہلو ڈال کر ناول میں چار چاند ڈال دیئے۔پنڈت رتن ناتھ سرشار کا شمار اردو ناول کو برگ وبار عطا کرنے اور اسے مزاح کی چاشنی سے روشناس کرانے والے فن کاروں میں ہوتا ہے۔اردو کی کئی ناول ان کی رہین منت ہیں اور انہوں نے انگریزی کے کئی عمدہ ناولوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔وہ لکھنؤ میں 1847ء میں پیدا ہوئے، ملازمت کی غرض سے حیدرآباد کا رخ بھی کیا اور وہاں مہاراجہ کشن پرساد کے وظیفہ خوار ہوئے۔حیدرآباد میں قیام کے دوران انہوں نے اخبار 'دبدبہ آصفیہ' کی ادارت بھی سنبھالی۔حد سے زیادہ شراب پینے کی وجہ سے ان کی صحت بگڑتی چلی گئی اور بالآخر 1903ء میں انتقال ہوا۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار نے تخلیقی زندگی کا آغاز 'اودھ' اخبار سے کیا۔ 1878 میں ''اودھ'' اخبار کے ایڈیٹر کے عہدے پر فائز بھی ہوئے۔ یہیں سے انہوں نے 'فسانہ آزاد' لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جو 1880 میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ وہ خداداد صلاحیت اور خلاقانہ ذہنیت کے مالک تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے اردو ادب میں جلد ہی شہرت حاصل کر لی۔ 'جام سرشار (1887ء)، سیر کہسار (1890) ان کے پہلے دور کے ناول ہیں۔ دوسرے دور کے ناولوں میں کامنی، کڑم دھم، بچھڑی ہوئی دلہن، پی کہاں اور ہشو، طوفان بے تمیزی ہیں۔ سرشار کے ناولوں کا تیسرا دور قیام حیدرآباد سے ہوتا ہے۔ اس دور میں انہوں نے 'گورغریباں' کے نام سے ایک ناول لکھا جو شائع نہیں ہو سکا اور دوسرا ناول 'چنچل نار' ہے، جسے مہاراجہ جے کشن نے اپنے نام شائع کرایا۔ ناول 'چنچل نار' پر عظیم الشان صدیقی نے 'اردو ناول کا آغاز و ارتقا' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کا ناول خدائی فوجدار انگریزی ناول 'ڈان کوئکساٹ' (DONQUIXOTE) کا اردو ترجمہ ہے جسے 1891 میں مطبع نول کشور لکھنؤ نے شائع کیا۔ اس ناول کی وجہ سے بھی سرشار کو بے پناہ مقبولیت ملی۔ لیکن سرشار کی تمام تصانیف میں شہرت عام اور بقائے دوام 'فسانہ آزاد' کو حاصل ہوئی۔ لکھنؤ کی معاشرتی تہذیب کی عکاسی، طنز کی کاٹ، مزاح کی چاشنی، بیگماتی زبان، محاورے کے استعمال اور خوجی جیسے مزاحیہ کردار کے اختراع کی وجہ سے 'فسانہ آزاد' کا شمار اردو کے قابل ذکر ناولوں میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ انہوں نے 'الف لیلیٰ' کا اردو میں انتہائی فصیح و بلیغ ترجمہ کیا، جو بذات خود ایک شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار کے بعد غیر مسلم ناول نگاروں میں ایک اہم نام منشی پریم چند کا آتا ہے۔ انہوں نے اردو فکشن بالخصوص اردو ناول کو زمینی حقائق اور زندگی کی سچائیوں سے روشناس کرایا۔ انہوں نے اپنی شعوری کوشش کی وجہ سے ابتدائی دنوں میں ہی اردو ناول کو عصری مسائل و موضوعات اور زمینی حقائق سے پوری طرح ہم آہنگ کر دیا۔ پریم چند سے پہلے اردو میں داستانوی فضا عام تھی، خیالی واقعات اور ماورائی کرداروں کی بھرمار تھی لیکن پریم چند کی کوششوں کی وجہ سے اردو ادب زندگی اور حقیقت کا ترجمان ہو گیا۔ ان کی تخلیقات سے بھارت کی سوندھی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ گاؤں کے فطری مناظر کو انہوں نے فنی ہنرمندی کے ساتھ اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ اپنے

گردوپیش کے سیاسی، سماجی حالات، طبقاتی جبر اور طاغوتی نظام کے آمرانہ رویے کوفنی پختگی کے ساتھ برتنے کی وجہ سے ناول نگاری کے اس دور کو پریم چند کے عہد سے موسوم کیا گیا۔ پریم چند نے اردو کا رشتہ امراءوسلاطین کے بجائے عام انسان سے جوڑ دیا۔ بقول رشید احمد صدیقی:

''اردو لکھنے والوں میں پریم چند پہلے شخص ہیں جنہوں نے حسن وعشق کو محل سراؤں اور مشاعروں سے نکال کر گاؤں کی چوپال اور چھپروں تک پہنچا دیا''

پریم چند نے اردو ناول کو موضوع کی سطح پر زرخیزی عطا کی ۔ بقول پروفیسر نورالحسن نقوی ''پریم چند کے جادونگار قلم سے چھوکر اردو ناول کندن ہو گیا۔''

پریم چند کا اصل نام منشی دھنپت رائے سری واستو ہے۔ادب کی دنیا میں پریم چند کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ابتدائی دنوں میں دھنپت رائے کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ دھنپت رائے سے پریم چند ہونے کی پوری کہانی دنیائے اردو کے سامنے عیاں ہے۔(لمہی) بنارس کے منشی عجائب لال کے یہاں 13 جولائی 1880 میں پیدا ہوئے اور بنارس میں ہی عمر کی 56 بہاریں دیکھنے کے بعد 8اکتوبر 1936 کو اس دنیائے آب وگل سے ان کی زندگی کا رشتہ منقطع ہوگیا۔ناول اورافسانے کے علاوہ انہوں نے کئی ایک ڈرامے بھی لکھے اور ایک عرصے تک ہندی کی مشہور میگزین 'ہنس' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

پریم چند کے ناولوں کو محققین نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور 1902 سے 1912 تک کے عرصے پر محیط ہے۔اس دور میں انہوں نے اسرار معابد، ہم خرما و ہم ثواب، جلوۂ ایثار اور بیوہ لکھا۔ دوسرا دور 1916 سے شروع ہو کر 1930 پر ختم ہوتا ہے ۔اس عہد میں انہوں نے بازار حسن، گوشۂ عافیت، نرملا اور غبن تصنیف کیے۔ پریم چند کے ناولوں کا تیسرا دور 1934 سے شروع ہو کر 1936 پر مکمل ہوتا ہے۔اس دورانیے میں انہوں نے چوگان ہستی، پردۂ مجاز، میدان عمل، گئودان اور منگل سوتر رقم کیے۔ پریم چند نے اپنے ناولوں میں سماجی حقیقت نگاری کے ساتھ، کردار نگاری کو بھرپور توجہ دی، منظر نگاری بھی ان کے یہاں خوب ہے۔ان کے ناولوں کا تیسرا دور سب سے اہم ہے۔ 'گئودان' ان کا اہم ناول ہے۔ گئودان میں پریم چند کا فن ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے نکتہ عروج پر نظر آتا ہے۔انہی خوبیوں کی وجہ سے 'گئودان' کو اردو کے

بہترین ناولوں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ہوری، دھنیااور گوبر گئودان کے جیتے جاگتے کردار ہیں۔اپنے عہد کے درپیش مسائل کوخوبصورتی کے ساتھ برتنے کی وجہ سے پروفیسر نورالحسن نقوی نے پریم چندکوجدیداردوناول کا بانی قرار دیا ہے۔

پریم چند کی شعوری کوششوں کی وجہ سے نہ صرف اردو ناول کی کائنات وسیع ہوئی بلکہ انہوں نے اپنے بعد کے ناول نگاروں کے لیے راستہ بھی ہموار کیا۔ پریم چند کے بعد موضوع کی سطح پر ناول کی دنیا وسیع ہوئی۔ ہیئت اور اسلوب کی سطح پر نئے نئے تجربے بھی کیے گئے۔آج اردو کے تمام اصناف میں ناول کواس لیے مقبولیت حاصل ہے کہ اس میں زندگی اور سماج کی ساری سچائیاں اپنی تمام جہتوں کے ساتھ روشن ہیں۔اردوناول کوعوامی جذبات واحساسات سے ہم آہنگ کرنے اوراسے قبول عام کا درجہ دلانے میں پریم چند کی کوششوں کا عمل دخل سب سے زیادہ ہے۔

پنڈت کشن پرشادکول اکتوبر 1885 میں مین پوری کے پنڈت کامتا پرشادکول کے یہاں پیدا ہوئے۔آپ کشمیری النسل ہیں۔آپ کواردو سے خاص لگاؤ تھا۔ ریاستی اورملکی سطح پر انجمن ترقی اردو ہند کے ذمہ دار بھی رہے۔زندگی بھراردوکواس کا جائزحق دلانے کے لیے کوشاں رہے۔آپ کی تحریر کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔آپ نے اردو میں 'قربانی اورنشا' کے نام سے دو ڈرامے بھی لکھے لیکن ادبی حلقے میں ناول نگار کے طور پر زیادہ شہرت پائی۔13 جنوری 1955 میں آگرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔کشن پرشادکول نے اردو میں تین ناول شیاما، مجبورِ وفا، سادھواور بیسوا لکھے۔علی عباس حسینی کے قول کے مطابق 'سادھواور بیسوا' ایک انگریزی قصہ سے ماخوذ ہے جبکہ 'شیاما' ان کا طبع زادناول ہے۔

پنڈت کشن پرشادکول اردوناول نگاری کے میدان میں ایک باغیانہ تیور کے ساتھ داخل ہوئے۔ان کے سبھی ناولوں میں ان کے اس باغیانہ ذہن کی کارفرمائی نظرآتی ہے۔ان کے تینوں ناولوں میں 'شیاما' کوسب سے زیادہ شہرت ملی۔ان کا یہ ناول 1917 کے آس پاس منظر عام پر آیا۔ یہ ایک کرداری ناول ہے۔ان کے ناولوں کی فضا رومانوی ضرور ہے، لیکن ان میں ایک ٹھوس سماجی حقائق کا ردعمل بھی ہے۔ان کا یہ ناول ایک تاریخی تناظر میں لکھا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدا میں مسزاینی بیسنٹ کے سیاسی، سماجی اور اصلاحی کوششوں کے اثرات سماج پر مرتسم ہو رہے

تھے۔'شیاما' کے کردار میں بھی یہ ساری خوبیاں نظر آتی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کردار کا تانا بانا اینی بیسنٹ کی شخصیت کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔کیونکہ اس میں مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری کا ذکر ہے۔اس ناول میں خواتین پر فرسودہ جکڑ بندیوں اوران پر ہورہے سماجی استحصال کے خلاف ایک آواز بلند کی گئی ہے۔وہ تمام بے جا رسوم وقیود جو اس زمانے میں خواتین پر روا تھے،ان کے خلاف 'شیاما' ایک احتجاج کے طور پر ہے۔'شیاما' کو اردو ناول میں عمدہ کردار نگاری اور خاندانی نظام کی اہمیت پر زور دینے اور اپنے اندر سماجی مباحث کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے کی وجہ سے اہم مقام حاصل ہے۔'شیاما' کے کردار کو پنڈت کشن پرشاد کول نے مثالی کردار کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر احسن فاروقی 'شیاما' کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> ''پنڈت کشن پرشاد کول کا 'شیاما' ایک ہندو بیوہ کا مثالی کردار ہے۔ ہندو بیوہ کہاں تک جاسکتی ہے اور کہاں اس کا مذہبی پابندیوں کی وجہ سے رک جانا ضروری ہوتا ہے،اس پورے عمل کا مکمل تخلیقی اظہار اس ناول میں ملتا ہے۔ بیسویں صدی کے متوسط طبقہ کے ہندو گھرانوں اور خصوصاً کشمیری پنڈتوں کے خاندانوں کا بڑا اچھا نقشہ اس میں پیش کیا گیا ہے۔''

منشی سرن شنکر نے 'مہارانی پدمنی' کے نام سے ایک ناول لکھا،کتابوں میں صرف اس کا ذکر ملتا ہے۔عظیم الشان صدیقی نے اس کا ذکر کیا ہے۔اس کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔سرن شنکر کا تعلق آگرہ سے تھا۔آگرہ ہی کے گوری پرشاد ہمدم نے بھی 'امید ووصال' (1902) کے نام سے ایک ناول لکھا تھا۔

لکھنؤ کے رہنے والے منشی موہن لال فہم نے بھی کئی معاشرتی اور تاریخی ناول تصنیف کیے ہیں۔'فتنہ' (مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ پریس لکھنؤ) 'اندر موہنی' جو 1916 میں اودھ اخبار میں قسط وار شائع ہوا جسے عوام میں مقبولیت ملی۔اس ناول کو کتابی صورت میں نول کشور پریس سے 1918 میں شائع کیا گیا۔دوسرا ناول 'رمبھا' ہے جو منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے 1928 میں شائع ہوا جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک کم عمر کی شادی شدہ لڑکی اگر بیوہ ہوجائے تو سماج میں اسے کتنی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ناول میں سماج میں پھیلی ہوئی برائی خاص طور سے بیوہ

عورتوں کی حالت زار پر کاری ضرب لگائی ہے۔'زبردستی کا خون اور مستانی جوگن' بھی ان کے معاشرتی ناول ہیں، جوفنی اعتبار سے ناقص اور کمزور ہیں لیکن معاشرے کی خرابیوں کوخوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ناولوں کے علاوہ انہوں نے'اورنگ زیب عالم گیر اور چنچل کماری' اور'ٹرکی حرم سرا' کتابیں تصنیف کیں۔یہ دونوں کتابیں تاریخی نوعیت کی ہیں۔'ٹرکی حرم سرا' میں ترکی کی معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا گیا ہے۔

اردو کے غیر مسلم ناول نگاروں میں جوالا پرشاد افق کواس طور سے اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے شرر کے طرز پر تاریخی ادراکات کو بروئے کار لاتے ہوئے تاریخی شخصیتوں کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔افق 1864 میں منشی پورن چند کے گھر پیدا ہوئے۔آپ ایک اچھے شاعر اور ایک عمدہ نثر نگار تھے۔شعری دسترس کی وجہ سے آپ کو ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا گیا۔لکھنؤ میں 12 ستمبر 1913 کو انتقال ہوا۔آپ نے اردو کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔آپ مؤرخ، مترجم کے علاوہ ڈرامہ نگار بھی تھے۔مزاح وظرافت نگاری کے علاوہ میدان صحافت سے بھی منسلک تھے۔طلسم،فتنہ،کادمبری،شاہزادی،اورنگ زیب اور شیواجی ان کے ناول ہیں۔ان کے ناولوں کا مزاج رومانی اور تاریخی ہے۔ان ناولوں میں جوالا پرشاد افق کے تاریخی شعور کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

ناول کے باب میں جوالا پرشاد برق کا نام اس طور سے اہمیت کے حامل ہے کہ انہوں نے دوسری زبانوں کے کئی بہترین ناولوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ان کے ترجمے کی وجہ سے اردو میں ناول نگاری کے رجحان کو فروغ ملا اور بہت سے لوگ ان کے ترجمے سے تحریک پاکر اردو میں ناول نگاری کی طرف مائل ہوئے۔پروفیسر نورالحسن نقوی نے ان کے ترجمے کو اردو ناول کے باب میں ایک اضافے سے تعبیر کیا ہے۔انہوں نے بنگالی کے معروف تخلیق کار بنکم چند چٹرجی کے ناول'چودھری دیورانی' کا اردو ترجمہ'بنگالی دولہن' کے نام سے کیا۔اس کے علاوہ بنکم چند چٹرجی کے دوسرے ناول 'مرنالنی' کا ترجمہ اسی نام سے اور کرشن کانت کا ترجمہ'روہنی اور شمع محفل' کے نام سے کیا۔جوالا پرشاد برق اردو میں ترجمہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن عظیم الشان صدیقی نے'اردو ناول۔آغاز وارتقا' میں پنڈت جوالا پرشاد برق کے چار طبع زاد ناولوں کا ذکر کیا ہے، جن کے نام اس طرح ہیں۔ مارآستین،فیروزگلنار،معشوقہ فرنگ اور پرتاب۔جوالا پرشاد برق 21 اکتوبر 1862 کو لکھیم پور

میں پیدا ہوئے اور 26 مارچ 1911 کو لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

اردو ناول کے ضمن میں ایک نام نوبت رائے نظر لکھنوی کا بھی لیا جاتا ہے۔نظر لکھنؤ میں 1866ء منشی الفت رائے کے یہاں پیدا ہوئے۔تین سال کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے تو دادا منشی خوش وقت رائے نے آپ کی تربیت اور کفالت کی۔نوبت رائے نظر کا انتقال 10 اپریل 1923 میں ہوا۔اردو شاعری اور نثر دونوں میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔اردو میں آپ نے 'بگڑے نواب، (1896) 'حسین رانی' اور 'عروج وزوال' (1902) نام سے تین ناول تصنیف کیے۔اس کے علاوہ انگریز رائٹر جارج ولیم رینالڈز کے ایک ناول کو 'شام جوانی' کے نام سے دو جلدوں میں اردو میں منتقل کیا، جو نول کشور پریس لکھنؤ سے چھپ کر 1938 میں منظر عام پر آیا۔نوبت رائے کا ناول 'بگڑے نواب' میں لکھنؤ کی معاشرت، نوابین کے مشاغل اور جعل سازوں کی کارستانیوں کے دلچسپ مرقعے دیکھے جاسکتے ہیں۔'عروج وزوال' ان کا تاریخی ناول ہے جس میں پرتھوی راج اور جے چند کے اختلافات کو پیش کرنے کے علاوہ شہاب الدین غوری کی معرکہ آرائیوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

رام بہادر لال جویا کا تعلق بریلی سے ہے۔جویا منشی رام غلام کے گھر 1875 میں پیدا ہوئے۔آپ ایک صاحب دیوان شاعر کے علاوہ عمدہ نثر نگار بھی تھے۔نثر میں 'ارمغان اردو' کے علاوہ 'پیراہن یوسفی' کے نام سے آپ نے ایک ناول بھی لکھا۔جس میں یوسف وزلیخا کے رومانی قصے کو تخیل کی آمیزش کے ساتھ فکشن کے قلب میں ڈھالا گیا ہے۔شاعری میں 'یادگار جویا' کے نام سے آپ کے ایک دیوان کا ذکر بھی ملتا ہے۔

منشی سکھ دیال شوق کا تعلق خورجہ، بلند شہر سے ہے۔انہوں نے ایک معاشرتی ناول 'دل ربا' کے نام سے لکھا جو 1992 میں میور پریس دہلی سے شائع ہوا۔ناول سے متعلق خود ناول نگار کی رائے ملاحظہ کریں:

> ''ایک حسرت نصیب کی پردرد کہانی، عاشق دل فگار کی افسوسناک سرگزشت
> ، پاک دامن بی بی کا اندوہناک ماجرا، کلیجوں میں ناسور ڈال دے اور وہ بیان
> حسن پرستوں کو بے چین کر دینے والا قصہ جسے ایک نظر دیکھ کر دنیا میں ختم کیے

بغیر کوئی نہیں رہ سکتا۔''

یہ ناول میاں بیوی کے تعلقات کو مدنظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ناول کے پلاٹ اور کردار کے تعلق سے عظیم الشان صدیقی لکھتے ہیں:

''اس ناول کا پلاٹ کسی قدر پیچیدہ ہے لیکن اس میں کوئی جاندار کردار نہیں ہے۔''

منشی سکھ دیال شوق نے ناول کے طرز پر وال میک رامائن سے کچھ منتخب واقعات کو بنیاد بنا کر 'کش کندھا کانڈ'،اور'بال کانڈ' کے نام سے دو کتابیں لکھیں جو برن پرکاش بلند شہر سے 26اگست 1897ء کو شائع ہوئیں۔شوق کی یہ دونوں کتابیں اسلوب اور زبان و بیان کے اعتبار سے انشاپردازی کا بہترین نمونہ معلوم ہوتی ہیں۔واقعاتی تسلسل،قصبہ پن اور سماجی زندگی کو پیش کرنے کی وجہ سے اسے ناول کی زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔

پنڈت بشمبر ناتھ سپر دفیض آباد اور لکھیم پور کھیری میں برٹش عہد میں منصرم عدالت تھے۔ اردو میں انہوں نے ناول بھی لکھے اور بہت سے انگریزی ناولوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ان کے ترجمہ کردہ ناول 'سراب حیات' ہے یہ ناول انہوں نے THE MIRAGE OF LIFE کا ترجمہ ہے۔ان کا طبع زاد ناول ہے، جو 1876 میں ہندوستان پریس امرتسر پنجاب سے شائع ہوا۔اس کے علاوہ انہوں نے جارج ڈبلیو ایم رینالڈز کے ایک انگریزی ناول کا اردو بامحاورہ ترجمہ 'فسانۂ عشق' کے نام سے کیا جو منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے 1924 میں منظر عام پر آیا۔

اپیندر ناتھ اشک نے 14 دسمبر 1910 کو جالندھر میں پنڈت مادھورام کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔1936 میں لاہور کے ایک کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سے کسب معاش کے لیے کئی شہروں کی خاک چھانی مگر کہیں بھی دلجمعی کے ساتھ قیام نہیں کر سکے بالآخر 1948 میں الہ آباد کا رخ کیا، یہاں انہوں نے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا اور عمر بھر کے لیے یہیں کے ہوکر رہ گئے اور یہیں 19 جنوری 1996 کو ان کا انتقال ہوا۔اپیندر ناتھ اشک کی ادبی اور تخلیقی زندگی چالیس برسوں پر محیط ہے۔شعر و ادب سے ان کو گہرا لگاؤ تھا۔انہوں نے افسانے، ناول، ڈرامے لکھے اور شاعری میں بھی طبع آزمائی کی۔ان کے دس افسانوی مجموعے اور چھ ناول منظر عام پر آئے۔فکری اعتبار سے وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔ان کے ناولوں کے نام ''ستاروں

کے کھیل (1937) گرتی دیواریں (1947) اور گرم راکھ (1952) پتھر پتھر، بڑی بڑی آنکھیں اور ایک ننھی قندیل' ہیں۔

اپیندر ناتھ اشک ایک معروف ناول نگار ہیں۔ان کا مشاہدہ اور مطالعہ گہرا ہے۔انہوں نے اپنے ناولوں میں کرداروں کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو پیش کیا ہے۔ان کی تخلیقات میں سماجی اور طبقاتی فرق بھی نمایاں ہے۔سماجی کرب اور حالات کے جبر کو بھی انہوں نے آئینہ دکھایا ہے۔پس ماندہ طبقات کی بے بسی، بے چارگی، اندھی اور کوری تقلید اور سماجی خرابیوں کو انہوں نے اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے ۔ ان کے یہاں رومانیت اور جذباتیت کی آمیزش بھی نظر آتی ہے۔اپیندر ناتھ اشک کو اردو اور ہندی دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ان کا ناول 'گرتی دیواریں' پہلے ہندی میں (1947) پھر اردو میں (1948) میں شائع ہوا۔'گرتی دیواریں' کے چھ حصے اردو میں مختلف ناموں سے منظر عام پر آئے۔تخلیقی ہنرمندیوں سے واقفیت کے باوجود کہیں کہیں ان سے چوک ہوگئی ہے۔ضروری طوالت اور بے جا جزئیات نگاری کی وجہ سے ناول میں کہیں کہیں اکتاہٹ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔'گرتی دیواریں' کے تعلق سے ڈاکٹر نگینہ جبیں لکھتی ہیں:

> ''ناول کی بے جا طوالت واقعات کے ٹکراؤ اور کہیں کہیں دہراؤ، چیتن کے بچپن کی تفصیلات، شادی رام کی حیوانیت کا جابجا بے محل ذکر، کرداروں کی بے ضرورت خاکہ نگاری اور کی کارکردگیوں کی بے جا تفصیل ناول کی بیانیہ کشش اور تناسب کو مجروح کر دیتی ہے۔جس سے ناول میں ایک تھکا دینے والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور قاری پر بے کیفی طاری ہونے لگتی ہے۔''

(اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷ اور اس کے بعد از ڈاکٹر نگینہ جبیں، کیشو پرکاشن، الہ آباد ۲۰۰۲ ص، ۲۱۸)

بلونت سنگھ 1921 میں گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے، لیکن انہوں نے اپنی زندگی کا آخری عرصہ الہ آباد میں گزارا اور یہیں 27 مئی 1986 میں وفات بھی ہوئی۔ان کے والد کا نام جسونت سنگھ تھا۔تقسیم ہند سے پہلے ہی اپنی تخلیقی ہنرمندی کی وجہ سے جن افسانہ نگاروں نے ادبی حلقے میں خاطر خواہ شہرت حاصل کی ان میں ایک نمایاں نام بلونت سنگھ کا بھی شامل ہے۔انہوں نے افسانے بھی لکھے لیکن بطور ناول نگار ان کو زیادہ مقبولیت ملی۔ان کے افسانوں اور

ناولوں میں پنجاب کی سوندھی مٹی کی خوشبو شامل ہے۔ پنجاب کی تہذیب وثقافت اور وہاں کی طرز معاشرت کو انہوں نے اپنے ناولوں میں فنی چابکدستی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اردو میں لکھنے کے باوجود معاشی تنگی نے انہیں ہندی کی طرف مائل کر دیا کیونکہ وہاں تخلیق کاروں کو اس کی اجرت دی جاتی تھی، جبکہ اردو کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ بقول نورالحسنین ''بلونت سنگھ بنیادی طور پر اردو کے ادیب تھے لیکن معاشی بدحالی نے انہیں ہندی کی طرف راغب کر دیا تھا، کیونکہ ہندی رسالے لکھنے والوں کو معاوضہ بھی دیا کرتے تھے۔'' بلونت سنگھ نے اردو ناول نگاری کے باب میں کافی شہرت حاصل کی۔ 'ایک معمولی لڑکی، عورت اور آبشار، رات چور اور چاند، ان کی بہترین ناول سمجھے جاتے ہیں۔ 'رات چور اور چاند' (1961) کا شمار اردو کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ ناول اس وقت لکھا جب اردو میں اینٹی ہیرو کا کوئی تصور نہیں۔ ناول کی فضا رومانی ہے۔ اس میں پنجاب کی تہذیب پوری طرح سانس لیتا نظر آتا ہے۔ اس میں پنجاب کا اکھڑ پن بھی نظر آتا ہے اور وہاں کے حسن و جمال کی دلآویزی بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ اس ناول پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر راشد انور راشد لکھتے ہیں:

> ''اینٹی ہیرو کی امیج کو بلونت سنگھ نے اس وقت (1984) میں پیش کیا جب روایتی انداز سے ہٹ کر کہانیاں لکھنے کا رواج نہیں ہو پایا تھا۔ اس حد تک موضوع کے اعتبار سے 'رات، چور اور چاند' کی اپنی انفرادیت ہے۔ زبان و بیان کے معاملے میں بلونت سنگھ کو غضب کا ملکہ حاصل تھا۔ اس ناول کے ہر صفحے پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ٹریٹ منٹ اور اپروچ کی سطح پر بھی یہ ناول ہمیں متاثر کرتا ہے۔ ہری پرساد، کرم الدین وغیرہ کے کرداروں کو گاؤں کے پس منظر میں پوری طرح ابھارا گیا ہے۔ جوالا سنگھ اور ڈاکوؤں کی جماعت سے کہانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ چنتو (بظاہر جوالا سنگھ کی بہن بباطن کی رکھیل) کا کردار بھی اہم ہے۔ سرنوں کی سہیلی رکھی کہانی کے بکھرے ہوئے تار و پود کو جوڑنے میں کامیاب ہے۔ مٹی سے جڑی ایسی کہانیاں ہمیں ہر موڑ پر زندگی کی حقیقتوں کا احساس کراتی ہیں۔''

بلونت سنگھ کے مذکورہ تینوں ناولوں کے کردار سرنوں، لیفٹیننٹ پرتھی پال، جنداں، پالا سنگھ ڈنگا، ڈاکوسنتا سنگھ، شہباز خاں، زرینہ، جمال، رحیم خاں، اسماعیل اوشا اور کیلاش جاندار و متحرک معلوم ہوتے ہیں۔ ناول 'رات، چور اور چاند' کا پلاٹ مختصر ہونے کے باوجود کمال کا ہے کہ انہوں نے چھوٹے سے پلاٹ پر ایک ضخیم ناول رقم کر دیا۔ اس ناول کی وجہ سے ان کا شمار معتبر ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ رومانی فضا اور رومانی ماحول کے باوجود ناول حقیقت سے بہت حد تک قریب معلوم ہوتا ہے۔

ستیش بترا کا شمار اردو کے معتبر افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے یہاں موضوعاتی تنوع ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں کا احاطہ کیا ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور انگریزی میں بھی ان کے افسانے شائع ہوئے ہیں۔ ہندی اور انگریزی میں ایک ایک اور اردو میں ان کے پانچ افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جبکہ 'پرچھائیوں کے دیش میں' کے نام سے 1971 میں اردو میں ان کا ایک ناول اسٹار پبلی کیشنز نئی دہلی سے شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ ان کا یہ ناول فلمی دنیا سے متعلق ہے۔ یہ ایک رومانی ناول ہے جس میں عشق و محبت کے لطیف جذبے کو پیش کیا گیا ہے۔ فن کی کسوٹی پر ان کا یہ ناول کھرا نہیں اترتا ہے۔ ستیش بترا جہلم میں 1926 میں پیدا ہوئے۔ اعلی تعلیم کے لیے آگرہ کا رخ کیا۔ وہاں سینٹ جانسن کالج سے انگریزی میں امتیازی نمبرات سے ایم اے کیا۔ لکھنؤ اور الہ آباد میں ملازمت کی ضرورت اور تجارت کی مشغولیت کے تحت ان کا طویل قیام رہا لیکن مستقل سکونت فرید آباد میں اختیار کی۔

شنکر سروپ بھٹنا گر دہرادون میں رام چندر بھٹنا گر کے یہاں 4 ستمبر 1920 میں پیدا ہوئے۔ تلاش معاش کے سلسلے میں دہلی آئے اور باقی ماندہ زندگی یہیں گزار دی۔ انہوں نے تین ناول تصنیف کیے۔ 'اندھیرے دور تک' (1983) یہ ایک سماجی ناول ہے۔ اس میں سماج میں پھیلے ظلم و جبر، ناانصافی اور بدعنوانی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کا دوسرا ناول 'پرموشن' (1984) میں منظر عام پر آیا۔ اس میں بھی سماجی بدعنوانی کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین کو اپنے پرموشن یا ترقی کے لیے کتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، وہاں کے بہت سے ملازمین پرموشن کی چاہ میں سی گریڈ پر ملازمت سے سبکدوش بھی ہو جاتے ہیں، جن پر ان کی بحالی ہوتی ہے یا پھر وہ ملازم جس کا کوئی اثر ورسوخ یا کوئی سیاسی بیک گراؤنڈ نہ ہو تو اسے اپنی ترقی

کے لیے کن کن مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔اپنے مالک کی کتنی خاطر داری کرنی پڑتی ہے۔یہ ناول دراصل سماج کے اسی مکروہ چہرے کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ یہ ناول ایک ایسے کلرک کی کہانی کی ہے جسے اپنی ترقی کے لیے دفتر میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔شنکر سروپ بھٹناگر کا تیسرا ناول 'توبہ' ہے۔اس کی اشاعت 1986 میں عمل میں آئی۔اس میں جہیز کی تباہ کاریوں کو پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جہیز ایک ناسور ہے جس کی وجہ سے ہمارے سماج کی بہت سی بیٹیاں غربت وافلاس کی وجہ پوری عمر شادی کی منتظر رہتی ہیں یا پھر موت کی شکار ہو جاتی ہیں۔

رام لعل چھابڑہ جو ادبی حلقوں میں رام لعل کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ان کے والد کا نام لچھمن داس چھابڑہ ہے۔ان کی پیدائش 3 مارچ 1923 کو میاں والی (پاکستان) میں ہوئی اور لکھنؤ میں 16 اکتوبر 1996 میں انتقال ہوا۔آپ کو اردو زبان سے بہت لگاؤ تھا،اردو کے فروغ سے متعلق کئی تنظیموں اور تحریکوں سے آپ ایک متحرک کارکن کے طور پر وابستہ رہے۔انہوں نے پورے اتر پردیش میں اردو کی بہتری کے لیے مہم چلائی اور اردو کی ترقی کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے۔

رام لعل کا مطالعہ وسیع اور ان کا مشاہدہ گہرا تھا۔محکمہ ریلوے میں ملازمت کی وجہ سے بھارت کے مختلف شہروں کے خوب اسفار کیے۔اس کے علاوہ آپ نے پاکستان، یوروپ اور ماسکو کے بھی اسفار کیے۔ جسے بعد میں سفرنامے کے طور پر شائع بھی کرایا۔سفرنامہ پاکستان، زرد پتوں کی بہار (1982)، یوروپ کا سفرنامہ خواب خواب سفر، ناروے، سویڈن، انگلینڈ، ڈنمارک (1982) ماسکو کا سفرنامہ ماسکو یاترا (1990) کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔افسانے اور ناول کے علاوہ 'اردو افسانے کی نئی تخلیقی فضا' (1985) کے نام سے ایک تحقیقی اور تنقیدی کتاب بھی منظر عام پر آئی ہے۔روزنامہ 'عالم' لکھنؤ میں بطور ایڈیٹر بھی آپ نے کام کیا ہے۔'دریچوں میں رکھے چراغ' کے نام سے انہوں نے ادبی شخصیات کے خاکے بھی لکھے۔'کوچہ قاتل' (1993) کے نام ان کی خودنوشت (سوانحی ناول) بھی شائع ہوئی۔'کوچہ قاتل' کا سب سے اہم کردار خود مصنف ہے۔اس کا کینوس تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور بڑے پیمانے پر ہجرت اور نقل مکانی تک پھیلا ہوا ہے۔ بقول ڈاکٹر نگینہ جبیں:

''یہ ناول خودنوشت سوانح حیات ہی نہیں بلکہ 1947 کی فرقہ واریت کی

ایک جیتی جاگتی دستاویز ہے۔جس میں فرقہ وارانہ فساد،قتل و غارت گری، آتش زنی،اور چھرے بازی کے واقعات،خوف،غم وغصہ، انتقام،نفرت، تعصب،تعجب،محبت، ہمدردی،ترس،رحم،محنت، بہادری،شرم وحیا،حیرت و حسرت کے یقینی واقعات آج بھی ان تصانیف میں زندہ ہیں جوتقسیم کے موضوع پر تخلیق کی گئیں۔''کوچہ قاتل'' ان میں سے ایک ہے۔کیونکہ ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی اُن واقعات کی سچائی کا اثر ختم نہیں ہوا۔''

(اردوناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷اوراس کے بعد از ڈاکٹر نگینہ جبیں،کیشو پرکاشن،الہ آباد ۲۰۰۲ء ص ۱۷۵)

رام لعل کے ناولوں کی تعداد چھ ہے،'کہرا اور مسکراہٹ (1972)، مٹھی بھر دھوپ (1973)، نیل دھارا (1981)،سورج جیسی رات (1984)، چاچی کا ڈھابہ (1996) جبکہ' آگے اور پیچھے' (1994) ان کے دو ناولٹ ہیں۔ان کے ایک درجن سے زائد افسانوی مجموعے بھی زیورطباعت سے آراستہ ہوئے۔

رام لعل کی زندگی کا بیشتر حصہ قلم اور کتابوں کے درمیان گزرا۔ان کا تصنیفی دائرہ کافی وسیع ہے۔اردو میں افسانہ ان کی شہرت اور شناخت کا روشن ترین حوالہ ہے لیکن انہوں نے اردو میں ناول بھی تصنیف کیے ہیں۔ان کے ناولوں میں تحیر اور تجسس کے ساتھ ساتھ رومانی تصور بھی کارفرما ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باریکیوں کو کرداروں کے توسط سے بیان کیا ہے۔رام لعل نے انسانی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس دھوپ چھاؤں سے خوب واقف ہیں جو انسان کو کبھی دکھ دیتی ہے تو کبھی سکھ۔رام لعل کے ناولوں کی دلکشی کا راز ان کی دلچسپ شیریں زبان بھی ہے جو قاری کو اپنی طرف باندھے رکھتی ہے۔کرداروں پر بھی وہ خوب توجہ دیتے ہیں،ان کی نظر کرداروں کے ذہن پر مرکوز رہتی ہے اور تخلیق کے دوران وہ ایک ایک کر کے اپنے کرداروں کے ذہنوں کی گرہوں کو کھولتے جاتے ہیں۔کہانی کی پیشکش اور پلاٹ کی منطقی ترتیب کی وجہ سے ان کے ناول فن کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں اور قارئین میں پسند بھی کیے جاتے ہیں۔

کرشن چندر اردو ناولوں میں ایک اہم نام ہے۔ان کی تحریروں میں جیتی جاگتی زندگی کا بھرپور اور رنگارنگ تاثر ملتا ہے۔اسلوب، بیان اور فن کی سطح پر انہوں نے جتنے تجربے کیے وہ ان کی

فنکاری کا بہترین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ان کے یہاں رومانیت وحقیقت کا امتزاج ملتا ہے۔ان کے ناولوں میں زندگی کے حقائق کے ساتھ ساتھ رومانیت کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ وہ زندگی سے فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ سیاسی، سماجی، معاشی، بنیادی حقوق کی پامالی اور سماجی نظام کی خامیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔انہوں نے سیتالیس ناول تصنیف کیے۔ان کے ناولوں میں تقسیم، فسادات اور ہجرت کو لے کر ایک طرح کا درد ابھرتا ہے۔ تقسیم ہند کے موضوع پر ان کے تین ناول ہیں۔ غدار، مٹی کے صنم اور میری یادوں کے چنار۔ غدار تقسیم کے موضوع پر منحصر ناول ہے۔اس میں تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے فسادات جس میں قتل وخون اور نفرت وحقارت میں انسانی رشتوں کو بدل دیا۔اس کی دردانگیز تصاویر غدار میں ملتی ہے۔ یہ ناول مغربی پنجاب کے ایک گاؤں لالہ پور کی کہانی ہے۔کرشن چندر نے اپنے ناول ''ایک گدھے کی سرگزشت'' میں گہرے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ سچائی ایمانداری اور دیانت داری کے پجاری اس گدھے کی زندگی کو پیش کیا ہے جو نئے طرز معاشرت اور مادی طرز زندگی میں پیار ومحبت، وفاداری اور ہمدردی کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا ہے۔لیکن آخر تک اسے یہ ساری اخلاقی قدریں میسر نہیں آتی ہیں۔ بارہ بنکی کے رہنے والے اس گدھے کے پس پردہ شہری زندگی کے گوناگوں مسائل اور پیچیدگیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔کرشن چندر کا ناول ''سڑک واپس جاتی ہے'' میں ممبئ جیسے شہر کے مزدوروں، جیب کتروں فٹ پاتھ پر بسنے والے غریبوں، کوٹھوں میں جسم بیچنے والی طوائفوں اور دولت کے غرور میں ڈوبے ہوئے تاجر طبقوں کے مسائل کا بیان ملتا ہے۔ناول نگار کشمیر کے گاؤں کی ایک لڑکی کا ممبئ شہر کی طرف ہجرت اور پھر وہاں کی حقیقی زندگی کو دکھایا ہے کہ کیسے گاؤں سے ہجرت کر کے آنے والے شہر میں غیر اخلاقی کاموں میں پھنس جاتے ہیں۔اسی طرح ناول ''پانچ لوفر اور ایک ہیروئن'' میں ممبئ کی فلمی دنیا کے چکا چوند میں چھپی ہوئی اس کالی دنیا کو دکھایا ہے جہاں بدعنوانی، سیکس اور پیسے کے لالچی لوگ بھرے پڑے ہیں۔ ناول ''چاندی کے گھاؤ'' میں فلمی دنیا کے باطنی کھوکھلے پن اور خوبصورت لڑکیوں کے جنسی استحصال کا بے باک اظہار ملتا ہے اور ساتھ ہی ناول میں سماج کے بدلتے اقدار کو دکھایا گیا ہے۔ کرشن چندر ترقی پسند تحریک سے تادم آخر حامی رہے۔

راجندر سنگھ بیدی کا تعلق پنجاب سے تھا۔ان کی کہانیوں میں پنجاب کی جھلک دکھائی

دیتی ہے۔ وہ عورت کی نفسیات کو بخوبی سمجھتے ہیں، جس کو انھوں نے اپنے ناول میں برتا ہے۔ بیدی نے اپنے ناول میں پنجاب کے سماج کے طور طریقے اور رہن سہن کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا ناول ''ایک چادر میلی سی'' میں 'رانو' کے کردار میں ماں اور بیوی کی صورت میں بھارت کی عورت کی فطرت اور اس کی نفسیات کے کئی پہلو دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ناول کا کردار 'رانو' اپنے شوہر، دیور، سسر، ساس اور بچوں کے درمیان کٹھ پتلی کی مانند ہے۔ رانو اپنے جذبہ دردمندی، ممتا، نسوانی فطرت اور ایثار و قربانی کے ذریعے ان کے درمیان ایک توازن قائم رکھتی ہے۔ بیدی کے اس ناول میں عورت کی خصوصیات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عورت منوانا چاہتی ہے دیوی نہیں۔ سماج میں رانو کی کیا حیثیت ہے اس بات سے احساس ہوتا ہے کہ اس سے دوسری شادی کے سلسلے میں کچھ پوچھا ہی نہیں جاتا ہے بلکہ یک طرفہ فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ رانو کے کردار میں نسوانی فکر پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔

رتن سنگھ اردو کے معروف اور معتبر اور محترم فکشن نگار ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ان کی تخلیقی جدت اور انفرادیت نمایاں ہے۔ ادبی حلقے میں بطور افسانہ نگار ان کی اہمیت مسلم ہے۔ نصف درجن سے زائد ان کے افسانوی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ 'سانسوں کا سنگیت (2011) کے نام سے انہوں نے ایک ناول بھی لکھا ہے۔ وہ پنجاب کے رہنے والے ہیں لیکن برسوں سے نوئیڈا میں مقیم کے بعد 2021ء میں اس دنیا سے کوچ کر گیے۔

جوگندر پال اردو کے اہم ناول نگار ہیں۔ ان کے دو ناول خواب رو (1983) اور نادید (1991) اردو دنیا میں کافی مشہور ہوئے۔ یہ دونوں ناول نئے تجربات اور نئی واردات کے مظہر ہیں۔ جوگندر پال زندگی کے عام اور معمولی واقعات میں آسانی سے دوررس نفسیاتی اور تہذیبی حقائق کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ حقائق کے اظہار کے لیے انہوں نے جو تہہ دار زبان استعمال کی ہے وہ قاری کو شعور زیاں اور تہذیب غم کا احساس کراتی ہے۔ خواب رو اپنے برتاؤ اپنی معنوی شدت اور اپنے حسن بیان کے تعلق سے ایک عجیب و غریب فن پارہ ہے۔ ہند و پاک تعلقات کی کہانی کہی اور سنی جاتی رہی ہے لیکن انہوں نے اس کہانی کو جس دل سوزی، جس گداز اور جس تعلق کے ساتھ لکھا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ انہوں نے ہجرت کے مسئلے کو ایک نئی جہت میں دیکھا اور دکھایا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظلِ ھما رقمطراز ہیں؛

''خواب رو، یعنی خواب کے عالم میں سفر کرنے والا جوگندر پال نے خواب

رو میں لکھنؤ سے آئے ہوئے مہاجروں کے ذہنی رویوں، جذبوں اور تہذیبی المیوں کو ایک مظبوط بیانیہ میں بڑے فنکارانہ انداز سے پیش کیا ہے''۔

(ہم عصر اردو ناول مطالعہ،قمر رئیس،علی احمد فاطمی،ایم۔آر پبلی کیشنز،نئی دہلی،2007ء ص،146)

نادید بھی اردو ناول میں پلاٹ،کہانی،صورت واقع اور معنوی سطح کی نقاب کشائی کے سلسلے میں ایک بالکل منفرد،انوکھی اور فکرانگیز کاوش ہے۔نادید اندھوں کے گھر کی کہانی ہے جہاں بینائی سے محروم آدمی دیکھ سکتا ہے اور جسے بینائی مل جاتی ہے وہ اندھا ہو جاتا ہے۔اس ناول میں کئی معنوی سطحیں مضمر ہیں۔موضوع تو صرف اندھاپن ہے مگر قدم قدم پر اس ایک رنگ میں سوسو رنگ دکھائی دیتے ہیں۔کہیں بھی تکرار کا احساس نہیں ہوتا اور کہیں یہ خیال نہیں آتا کہ جو فکری عناصر ابھرے ہیں وہ پیش پا افتادہ ہیں یا اکتساب کیے گئے ہیں۔جوگندر پال نے اپنے ناولوں میں جن وسائل اور جس طرح کی پیکر تراشی سے تخلیقی وحدت کی تعمیر کرتے ہیں وہ فن اور زبان پر ان کی غیر معمولی گرفت کا ثبوت ہے۔زبان کا استعمال ان کے یہاں نہایت حساس کردار کا حامل ہے۔ان کا اسلوب سادگی سے متعصب ہے اور مخاطبانہ طرز اظہار کی مثال ہے۔

گیان سنگھ شاطر کا سوانحی ناول گیان سنگھ شاطر ہے۔یہ ایک انوکھی سوانح حیات ہے۔ناول نگار نے ناول میں اپنی زندگی کے تمام حقائق کھول کر رکھ دیئے مگر اس کی خوبصورتی سے کہ کسی واقعدہ کی حقیقت سے پڑھنے والا انکار نہیں کر سکتا۔گیان سنگھ شاطر نے دلکش،لطیف اور بیانیہ اسلوب اپنایا ہے جو آپ بیتی کو کو بھر پور زندگی اور صحت بخشتا ہے۔جزئیات نگاری،حسین منظر نگاری اور ششدر کر دینے والی کردار نگاری کے ذریعے نا قابل فراموش ناول ہو گیا ہے۔جس سے اردو فکشن کا دامن وسیع ہوتا ہے۔

رامانند ساگر کا ناول ''اور انسان مر گیا'' کو تقسیم ہند سے متعلق لکھے گئے ناولوں میں اہمیت حاصل ہے،انسان جو نہ جانے کتنے دنوں سے ایک ساتھ رہتا آیا تھا۔تقسیم کے موقع پر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو گیا،تہذیب اور انسانیت کے راستے سے بہت دور چلا گیا۔ناول کے ہر حادثے میں انسان کی انسانیت ختم ہو گئی ہے اور انسان مر گیا ہے۔یہ ناول سولہ ماہ کی مدت میں لکھا گیا ہے جس کا دورانیہ مارچ 47 سے جولائی 48 کا ہے۔اس ناول میں جانبداری کا فقدان ہے اور گہری مایوسی بھی ہے۔ناول نگار بھی مانتے ہیں کہ اس میں ناامیدی اور تلخی پیدا ہوئی ہے لیکن

اس کی بنیاد میں نہیں ہے۔اس وجہ سے یہ ناول عینی شہادت اور سچائی کی بنیاد پر ہی لکھا گیا ہے، جو لاہور میں مظالم ہوئے اس کا پرزور بیان ہے۔ واقعات کو برتنے میں پلاٹ میں ربط وضبط کی کمی نظر آتی ہے۔ناول ''اورانسان مرگیا'' کے دیباچہ میں خواجہ احمد عباس رقم طراز ہیں؛

''رامانندساگرکا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے انسان اور انسانیت کو مرتے دیکھا۔مگر خود ساگر کی انسانیت ختم نہیں ہوئی ہے۔ یہ انسانیت، یہ انسان دوستی آپ کو اس ناول کے ہر باب، ہر صفحے اور ہر سطر میں نظر آئے گی۔ان کرداروں میں نظر آئے گی جو فرضی ہونے کے باوجود اصلی ہیں، جو ناول میں یکے بعد دیگرے مرجانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔''

اِ۔خواجہ احمد عباس، دیباچہ، اورانسان مرگیا، رامانند ساگر، نو ہند پبلیشرز لمٹیڈ، بمبئی، 1948ء ص25

ان کے علاوہ بہت سارے غیر مسلم ناول نگار ہیں جنہوں نے اردو ناول کو ایک سمت دیا۔اردو ناول کے علاوہ اردو ادب کے دوسرے اصناف کو فروغ دینے میں بھی ہندو اور سکھوں نے خوب مدد کی۔ بلکہ اردو کے شاہکار ادیب غیر مسلم بھی ہیں جن کے بغیر اردو ادب ادھورا ہے۔